AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 4, Issue 1, June 2020, PP: 69-82
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

غزواتِ نبوی ﷺ میں تعلیم وتربیت کی سماجی ومعاشی جہات

Socio-Economic Aspects of Education & Training in the Prophet's Battles

Saeed Ahmad [1*] **& Hafiz Mudassar Farooq** [2]
[1] Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Punjab. [2] Research Scholar

ARTICLE INFO

Article History:
Received 11 July 2020
Revised 17 July 2020
Accepted 19 July 2020
Online 20 July 2020

DOI:

Keywords*:*
Savagery, Sacred Obligation, Pre-Islamic Society, Socio-Economic Aspects.

ABSTRACT

War is undoubtedly the most vicious act of all human actions. Sometimes on the battlefield, man becomes immoral and wears the robe of savagery. The Prophet (peace be upon him) permitted to carry a sword as a sacred obligation. However, he forbade all barbaric actions and guided corrective teachings such as justice and compassion. He instructed the forces not to take the initiative in attacking, don't attack the weak, women, children and slaves in battle (who did not take part in the war), don't cut down trees without reason and likewise. This article highlights the socio-economic aspects of the Prophet's conquests elaborating how the Prophet (peace be upon him) exhibited respect for humanity in the battlefield. The study concludes that battles fought during the lifetime of the Prophet (peace be upon him) were not only successful in their mission but also provide various learning lessons for Muslims.

* Corresponding Author's email: saeed.is@pu.edu.pk

CC BY

جنگ، تمام انسانی افعال میں بلاشبہ سب سے زیادہ بہیمانہ فعل ہے۔ بسا اوقات میدانِ جنگ میں انسان اپنی اشرف المخلوقات کی خلعت اُتار کر رکھ دیتا ہے، اخلاقیات سے عاری ہو جاتا ہے اور درندگی کا جامہ پہن لیتا ہے لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ ایک مقدس فرض ہی کے طور پر تلوار اُٹھانا جائز سمجھتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے تمام وحشیانہ طریقوں کی ممانعت فرمادی اور ایسی اصلاحی تعلیمات جاری فرمائیں کہ سفاکی، بے دردی اور درندگی کی جگہ عدل و انصاف اور ترحم پر مبنی جذبات میدانِ جنگ کے اوصاف بن گئے۔ غزوات میں اسلامی افواج کی قیادت خود حضور ﷺ فرماتے تھے لیکن اگر کسی وقت کسی صحابی کو سپہ سالار بنا کر بھیجتے تو افواج کو بوقتِ رخصت ہدایات فرماتے کہ حملہ کرنے میں پہل نہ کرنا، جنگ میں ضعیفوں، عورتوں، بچوں اور غلاموں کو (جو جنگ میں حصہ نہ لیں) امان دینا، بلاوجہ درختوں وغیرہ کو نہ کاٹنا وغیرہ۔

اسلام سے قبل جنگیں مالِ غنیمت کے حصول، اظہارِ تفاخر اور جذبہ انتقام کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ ان ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے مد مقابل انسانیت کے درجے سے بھی گر جاتے تھے۔ لیکن اسلام نے قتال کے لیے جو قانون سازی کی، اس میں بھی اخلاقیات کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس مقالہ کے مندرجات میں غزواتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تعلیم و تربیت کی سماجی و معاشی جہات کو اُجاگر کیا جائے گا۔

(الف) تعلیم و تربیت کی سماجی جہات

رسول اللہ ﷺ نے امن و سلامتی کے دین "اسلام" کی نورانی تعلیمات کے ذریعے ایک وحشی قوم کو یکسر تبدیل کر کے دنیا کے لیے تہذیب و تمدن کا رول ماڈل بنا دیا۔ آپ ﷺ نے غزوات میں بھی عدل و انصاف، جود و سخا، شجاعت و بہادری، عزم و استقلال، ایفائے عہد، رقیق القلبی، قیدیوں سے حُسنِ سلوک، مفتوح قوم سے حسن معاملہ، عبادات میں تخفیف جیسی وہ اخلاقی، مؤثر اور نتیجہ خیز تعلیمات مہیا کی ہیں کہ دنیا میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ اسلام سے قبل کا معاشرہ طرح طرح کے عیوب و نقائص کا حامل تھا۔ حقوق و فرائض کی ادائیگی تو درکنار، ان کا کوئی تعین ہی نہ تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے دورانِ غزوات بھی احترامِ انسانیت اور حقوق کی ادائیگی کا وہ تصور عطا کیا کہ عرب کا جاہل معاشرہ، تہذیبِ اسلامی کی معراج کا منظر پیش کرنے لگا۔ ذیل میں غزوات نبوی ﷺ کی روشنی میں چند سماجی جہات پیش کی جاتی ہیں۔

1- تقویٰ

اسلامی معاشرے کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ یہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بناء پر ہر کام میں اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جو پُر امن، خوشحال اور مستحکم معاشرے کی خوبیاں ہیں۔ کیونکہ تقویٰ کی وجہ سے انسان منکرات سے نفرت کرتا ہے اور حقوق و فرائض کا احترام کرتا ہے۔ جب حقوق و فرائض کی بہتر ادائیگی ہو گی تو معاشرہ یقینی طور پہ محفوظ ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ کے غزوات سے بھی ہمیں تقویٰ کا درس ملتا ہے۔ دورانِ قتال آپ ﷺ خود تو تقویٰ کا اہتمام فرماتے ہی تھے۔ جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو بھی تقویٰ کی نصیحت کرتے۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ:

قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ[1]

ترجمہ: کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب کسی کو لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اسے بالخصوص اپنی ذات کے حوالہ سے تاکیدی حکم فرمایا کرتے تھے۔

گویا اتنے عمدہ اخلاق سے مزین کر کے روانہ فرماتے کہ خوفِ خدا کی صفت سے متصف انسان سے فتنہ و فساد پھیلانے کا امکان ہی معدوم ہو جاتا تھا۔ ان صفات کا حامل شخص یقیناً معاشرے کی اصلاح کا کام سر انجام دے گا اور معاشرہ فلاح و بہبود کی شاہراہ پہ گامزن ہو گا۔

2- قیامِ خیر اور رفع شر

معاشرے کے استحکام کے لیے قیامِ خیر (بھلائی کا قیام) اور رفع شر (شر کا خاتمہ) بہت ضروری ہے۔ جس معاشرے میں خیر کا قیام اور شر کے خاتمے کا اہتمام نہ ہو، وہ سرطانی معاشرہ ہوتا ہے۔ فتنہ وفساد اور ظلم واستحصال کی صورت حال جس معاشرے پر مسلط ہو وہ کبھی ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر خالد علوی اسلام کا معاشرتی نظام میں لکھتے ہیں:

"جس معاشرے میں باہمی خیر کے قیام اور شر کے مٹانے کی سعی نہیں ہوتی وہ بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔"[2]

غزوات النبی ﷺ کا مقصد ہی خیر کا قیام اور شر کا خاتمہ تھا۔ معاشرے کو ظلم واستحصال سے پاک کرنا اور سلامتی والے دین کی ترویج ہی مقصودِ قتال تھا، جس کی تائید ارشادِ باری تعالیٰ سے ہوتی ہے:

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ[3]

ترجمہ: لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو جائے اور دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا سرسری مطالعہ بھی اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ قتال کے ذریعے فتنہ کا سدّباب معاشرے میں بسنے والے افراد کے لیے قیامِ امن کی عملی صورت کے نفاذ کے لیے ہے۔ اس قتال کی دوسری مذکورہ وجہ دینِ متین کا بصورتِ تامّہ اجاگر ہونا ہے، جو خود ادیانِ عالم میں سب سے بڑھ کر داعیٔ امن ہے۔

3- حقوق کا تحفظ

معاشرتی زندگی حقوق وفرائض کی روح کا تصور ہے۔ اس کے بغیر کوئی معاشرہ اپنی اجتماعیت برقرار نہیں رکھ سکتا۔ بقول لاسکی:

"Rights in fact are those conditions of social life without which no man can seek in general to be at his best."[4]

حضور اکرم ﷺ کی نہ صرف عام زندگی سے بلکہ غزواتی زندگی سے بھی حقوق وفرائض کی ادائیگی کا درس ملتا ہے۔

(i) حقوقِ والدین

حضور ﷺ نے دورانِ غزوات حقوقِ والدین پر بہت زیادہ زور دیا۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الجِهَادِ، فَقَالَ: أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ[5]

ترجمہ: ایک صحابی حضور ﷺ کے پاس جہاد کے لیے اجازت لینے آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا: ان کی خدمت کر کے جہاد کرو۔

اسلام، معاشرتی نظام میں بنیادی اکائی خاندان کو قرار دیتا ہے۔ خاندان کا ایک مظہر والدین کا وجود ہے۔ ماں باپ کے بغیر کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا۔ ماں باپ کی بقاء پر معاشرے کی بقاء کا انحصار ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی کے بقول:

"معاشرتی زندگی میں چونکہ اولین چیز ایثار ہے اور کوئی معاشرہ بھی ایثار کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یوں کہیے کہ معاشرتی تربیت کے لیے ایثار ضروری ہے اور اس ایثار کے لیے والدین کا وجود نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔ دنیا کے تمام معاشروں میں خواہ وہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، والدین کی عظیم حیثیت مسلّم رہی ہے۔"[6]

(ii) جان ومال کا تحفظ

جان ومال کا تحفظ معاشرتی استحکام کا باعث بنتا ہے۔ جس معاشرے کے افراد کو جان ومال کا خطرہ ہر وقت لاحق ہو وہاں کبھی پائیدار اجتماعیت جنم لیتی ہے نہ ریاست جبکہ شہریوں کے درمیان جو معاہدی طاعت ہے وہ کبھی برقرار نہیں رہتی۔ ایسا معاشرہ خطرناک قسم کے انتشار اور ابتری کا شکار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے دورانِ قتال لوٹ مار اور ناحق قتال کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کو کسی غزوہ میں مقتولہ عورت ملی تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔

فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ[7]

یہ اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ بے گناہ، جنگ میں حصہ نہ لینے والے، اپنے گھروں میں ٹھہرے رہنے والے، معذور، بوڑھے، بچے اور خواتین، جنگی مصائب و شدائد میں شکار بنائے جانے سے مبرّا قرار دیئے گئے۔ اس لیے کہ اسلام، انسان دوست مذہب ہے نہ کہ انسانیت کش۔

4- احترام انسانیت

احترامِ انسانیت اسلامی معاشرے کی جان ہے۔ ہر شخص کی عقل خود سمجھ سکتی ہے کہ اگر انسان کی جان کی کوئی قیمت نہ ہو، اس کا کوئی احترام نہ ہو، اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں؟ غزوات سے احترام انسایت کی یہ مثال ملتی ہے کہ غزوات میں جانی نقصان کم سے کم ہوا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

> "دس لاکھ مربع میل کے علاقے کی تسخیر میں دشمن کو جو جانی نقصان پہنچا اس کا اوسط ہر ماہ ایک آدمی سے زیادہ نہ تھا۔ اور خود مسلمانوں کا نقصانِ جان تو اس سے بھی کم تھا۔ تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ مذکور نہیں جس سے پتہ چلتا ہو کہ ہند اور پاکستان کے مجموعی رقبہ کے برابر رقبہ کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں اپنے پانچ سو سپاہیوں کا اتلافِ جاں بھی برداشت کرنا پڑا ہو۔ پھر دس سال کی مدت میں دس لاکھ مربع میل کی تسخیر سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ تسخیر کا اوسط روزانہ ۲۷۳ مربع میل رہا ہے۔ مسلمان انسانی خون کے احترام میں جس قدر پیش پیش تھے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مفتوح اقوام کو اس امر کا احساس تک بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان پر کسی دوسری قوم کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ اس کے برعکس وہ خود کو آزاد اور سربلند محسوس کرتی تھیں۔"[8]

5- باہمی اتحاد

معاشرے کی اساس ہی اجتماعیت ہے۔ انسانی معاشرہ افراد کے مابین موجود روابط پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ایسی سماجی اکائی ہے جو افراد کے باہمی ذرائع و مقاصد کے رشتہ سے قائم ہوتی ہے۔ معاشرے میں موجود افراد کا جتنا اتحاد ہوگا اتنا ہی معاشرہ مستحکم ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے غزوات میں بھی اتفاق و اتحاد پر بہت زور دیا ہے۔ جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو ہدایت کرتے کہ اللہ سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اس کے ساتھ حکم دیتے:

مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا[9] ترجمہ: مسلمانوں کے ساتھ باہم بھلائی کرنا۔

ابو ثعلبہ الخشنی سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ رحمت ﷺ کے اصحاب جب کسی منزل پر اُترتے تو متفرق ہو کر پہاڑوں کے دروں اور نالوں میں اُترتے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَفَرَّقُوافِي الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ،فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ:إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي هَذِهِ الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ،إِنَّمَاذَلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلَمْ يَنْزِلْ بَعْدَذَلِكَ مَنْزِلًاإِلَّاانْضَمَّ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ حَتَّى يُقَالَ لَوْبُسِطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ[10]

ترجمہ: تمہارا یہ تفرقہ دروں اور نالوں میں نہیں مگر شیطان کی طرف سے (جو تم کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے تاکہ دشمن تم پر قدرت پائے اور تم کو تکلیف پہنچائے) آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد پھر کسی منزل میں لوگ متفرق نہ اترتے بلکہ بعض ایسے باہم مل کر اترتے کہ ان کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ ایک کپڑا اگر ان پر پھیلایا جائے تو وہ کپڑا سب کو ڈھانک لے۔

6- افراد کا نظم وضبط

معاشرہ چونکہ نام ہی تنظیم وترتیب کا ہے، اس لیے اس کا ایک نہایت اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ افراد کے اندر نظم وضبط پیدا کرے اور مختلف دائرۂ کار میں انسانی کوششوں کو منضبط ومربوط رکھے۔ افراد کی تنظیم ہی سے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ دورانِ قتال نظم وضبط کی بہترین مثالیں صف بندی اور قیامِ صلوٰۃ ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں کہ:

"صف بندی کی اصل غایت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی خاص مقام پر دشمن کے حملہ کا دباؤ بڑھ جائے تو فوج کا آپس میں ربط منقطع نہ ہونے پائے۔ صف بندی کے دوران حضور ﷺ نے اس بات کو بالخصوص ملحوظ رکھا ہے۔ صف بندی قریش مکہ نے بھی کی لیکن ان میں ایسا نظم وضبط ہر گز نہ تھا۔"[11]

اسلام نے جو رواداری، مساوات اور نظم وضبط کا حکم دیا ہے، یہ اس کی ہمہ جہتی کا ایک روشن پہلو ہے جسے میدانِ جنگ میں بھی فراموش نہیں کیا گیا۔

7-عہد کی پاسداری

ایفائے عہد حُسنِ معاشرت کا اہم اصول ہے۔ اس سے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ کیونکہ عہد پورا کرنے سے دھوکہ دہی کا خاتمہ ہوگا۔ انسان ایک دوسرے کی حق تلفی سے باز رہیں گے۔ اس سے معاشرت اور معاملات کی وہ صورتیں بھی مستحکم ہوں گی، جس کی پابندی انسان پر عقلاً، قانوناً اور معاشرتی طور پر لازمی وضروری ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے غزوات میں بھی اس کا خصوصی اہتمام فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَاحُذَيْفَةُبْنُ الْيَمَانِ،قَالَ:مَامَنَعَنِي أَنْ أَشْهَدَبَدْرًاإِلَّاأَنِّي خَرَجْتُ أَنَاوَأَبِي حُسَيْلٌ،قَالَ:فَأَخَذَنَا كُفَّارُقُرَيْشٍ،قَالُوا:إِنَّكُمْ تُرِيدُونَ مُحَمَّدًا،فَقُلْنَا:مَانُرِيدُهُ،مَانُرِيدُإِلَّاالْمَدِينَةَ،فَأَخَذُوامِنَّاعَهْدَاللهِ وَمِيثَاقَهُ لَنَنْصَرِفَنَّ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَلَا نُقَاتِلُ مَعَهُ، فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَأَخْبَرْنَاهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ:انْصَرِفَا،نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَنَسْتَعِينُ اللهَ عَلَيْهِمْ[12]

ترجمہ: آپ ﷺ کے دو صحابی سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ اور ان کے والد ابو حسیل کہیں سے آرہے تھے کہ راستے میں قریش نے ان دونوں کو روک لیا اور استفسار کیا کہ تم محمد (ﷺ) کی مدد کو جارہے ہو؟ انھوں نے ان لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ نہیں ہم ان کی مدد کو نہیں جارہے، ہم مدینہ جارہے ہیں۔ انھوں نے ان دونوں سے مدد نہ کرنے کا وعدہ

لیا اور ان دونوں نے وعدہ بھی کر لیا کہ ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات میدانِ بدر میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کیا اور ساتھ ہی جنگ میں شرکت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہمیں صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب کفار کے مقابلے میں ایک ایک فرد انتہائی اہم تھا، مگر جنگی حالت میں بھی اس امر کی باریکی پر جس طرح نظر رکھی گئی، عمومی حالتِ امن میں ایفائے عہد کی اہمیت پر ایک روشن نشان ہے۔

8- حمایتِ مظلوم

فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری، معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ عرب کے بڑے بڑے قبائل غارت گری میں نام رکھتے تھے۔ غارت گری ان کے نزدیک ذریعۂ شہرت اور اظہارِ بہادری اور جواں مردی تھا۔ غزوات کا ایک اہم مقصد مظلوموں اور کمزوروں کی امداد تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ مَالَكُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا[13]

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے نہیں جبکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہی ایک دوسرے کی سلامتی ہے۔ لفظ اسلام اپنے اندر اس قدر گہرے معاشرتی معانی سمیٹے ہوئے ہے کہ کائنات کی پوری تہذیب وتمدن اس لفظ میں سمو جاتی ہے۔ انسان کی بقاء، اس کی افزائش، اس کی ترقی اور اس کا احترام اسی لفظ میں پوشیدہ ہے۔ اسلام کی معاشرتی اقدار کو تقویت دینے کے لیے حضور ﷺ نے عملی نمونہ پیش کیا۔ ایسا کامل اور قابلِ تقلید نمونہ کہ غزوات میں بھی حُسنِ معاشرت کے لیے تقویٰ، قیامِ خیر ورفعِ شر، باہمی اتحاد، ایفائے عہد، احترامِ انسانیت، حقوق و فرائض کی ادائیگی اور حمایتِ مظلوم جیسی تعلیم وتربیت کی جہات موجود ہیں جو مستحکم معاشرے کی علامات ہیں۔

9- خواتینِ اسلام۔۔۔۔ میدانِ کارزار میں

نبی اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت کی بدولت مسلم خواتین کو بھی اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کا پورا شعور اور ادراک حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تحریکِ اسلام میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ اس کے علاوہ مسلم خواتین کو اسلام کی کامیابی کے لئے ذات رسالت مآب ﷺ کی ضرورت واہمیت اور آپ ﷺ کے اعلیٰ کردار کی وقعت کا مکمل احساس تھا، لہٰذا وہ جان ومال، اولاد، والدین حتیٰ کہ ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ کی سلامتی کو زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ جس کی روشن دلیل ایک انصاری خاتون کا یہ جملہ ہے:

كل مصيبة بعدک جلل[14] ترجمہ: اے نبی مکرم ﷺ! آپ کی موجودگی میں سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

غزواتِ نبوی ﷺ میں مسلم خواتین کا جذبۂ عمل دیدنی ہوتا تھا۔ مسلم خواتین خواہرانہ جذبے سے سرشار ہو کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور حالات وبساط کے مطابق ممکنہ طور پر مجاہدین کی خدمت اور دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ اس جذبۂ عمل سے عالم انسانی کو بھی منفعتِ عظمیٰ

حاصل ہوئی اور اس نے مستقبل میں ایک مستقل رحمتِ انسانی کی شکل وصورت اختیار کرلی۔ پیغمبر اعظم وآخر کے مصنف کے مطابق:

"اگر مسلم خواتین کے اس خواہرانہ جذبہ تیارداری کو "نرسنگ" کی تحریک کا، جس کی بانی فلورنس نائٹنگ گیل تھی، سنگ بنیاد کہیں تو بے جانہ ہوگا"[15]

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہی ایک دوسرے کی سلامتی ہے۔ لفظ اسلام اپنے اندر اس قدر گہرے معاشرتی معانی سمیٹے ہوئے ہے کہ کائنات کی پوری تہذیب وتمدن اس لفظ میں سمو جاتی ہے۔ انسان کی بقاء، اس کی افزائش ،اس کی ترقی اور اس کا احترام اسی لفظ میں پوشیدہ ہے۔ اسلام کی معاشرتی اقدار کو تقویت دینے کے لیے حضور ﷺ نے عملی نمونہ پیش کیا۔ ایسا کامل اور قابلِ تقلید نمونہ کہ غزوات میں بھی حُسنِ معاشرت کے لیے تقویٰ، قیامِ خیر ورفع شر، باہمی اتحاد، ایفائے عہد، احترامِ انسانیت، حقوق وفرائض کی ادائیگی اور حمایت مظلوم جیسی تعلیم وتربیت کی جہات موجود ہیں جو مستحکم معاشرے کی علامات ہیں۔

(ب) تعلیم وتربیت کی معاشی جہات

انسان کی فطرت میں قدرت کی طرف سے جو تقاضے رکھے گئے ہیں ان میں ایک لازمی اور بنیادی تقاضا معاش یعنی کھانے پینے اور سکونت کا بھی ہے۔ اس کے بغیر عام حالات میں کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے رب کریم نے اس دنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی معاش کا وافر انتظام اور وسائل پیدا فرمادیئے ہیں، البتہ ان وسائل کی تحصیل اور تقسیم انسانوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ اس وقت دنیا میں اگر کہیں معاشی ظلم اور ناانصافی نظر آتی ہے تو وہ وسائلِ معاش میں کمی کے باعث نہیں بلکہ ان وسائل کی غلط اور غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے ہے۔ پھر اللہ کریم کے علم میں تھا کہ انسان اپنی طبعی حرص کی وجہ سے ان وسائل کی تقسیم میں لازماً زیادتی بھی کرے گا۔ اس لیے اس نے اس معاشی مسئلے کے تسلی بخش، قابلِ قبول اور قابلِ عزت حل کے لیے آسمانی ہدایت ووحی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کو ہماری رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آنحضور ﷺ نے قرآنی تعلیمات اور اپنے ذاتی اسوۂ حسنہ سے انسان کے اس پیچیدہ مسئلے کا اس طرح کامیاب حل فرمایا کہ غزوات میں بھی تعلیم وتربیت کی معاشی جہات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ذیل میں اس کے چند پہلوؤں کو زیر بحث لایا جائے گا۔

1- غارت گری کا خاتمہ

زمانہ جاہلیت میں عرب کے بڑے بڑے نامور قبائل اور ان قبائل کے نامور افراد اور شعراء غارت گری میں نام رکھتے تھے۔ غارت گری ان کے نزدیک ذریعۂ شہرت اور اظہارِ جواں مردی تھا۔ اس ظالمانہ ذریعہ معاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی قبیلہ کی جان اور مال محفوظ نہ تھا۔ غارت گر قبائل یا افراد دوسروں کا مال لوٹ کر امیر بن گئے اور کمزور طبعاً شریف لوگ تنگدست بن گئے۔ اس غارت گری سے اگر کوئی قوم یا قبیلہ محفوظ تھا تو وہ قریش تھے، جنھیں بیت اللہ کا مجاور سمجھ کر غارت گر قبائل بھی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ اور مسلمان صحابہ کرامؓ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اب غارت گر قبائل کے لیے یہ بھی بیت اللہ کے جیران (ہمسائے) نہیں رہ گئے تھے۔ ان کا جان ومال بھی محفوظ نہیں تھا۔ انھیں ہر وقت غارت گر قبائل سے خطرہ رہتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے ایک دن فرمایا:

لَيْتَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِي صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»... الآخر[16]

ترجمہ: کاش میرے صحابہ میں کوئی نیک شخص آج رات پہرہ دیتا کہ ہم نے ہتھیار کی آواز سنی۔ بعد ازاں آپ ﷺ کی اس پکار پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور خود کو پہرہ دینے کے لیے پیش کر دیا۔

اسی طرح کرز بن جابر فہری رئیس مکہ مکرمہ نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر غارت گری کی اور نبی کریم ﷺ کے مویشی لوٹ لیے۔ اس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ نکلا۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں:

> "نبی کریم ﷺ جو داعیٔ امن و سلامتی تھے، نے ایسے غارت گر قبائل کو سبق سکھانے کے لیے ان کے خلاف سرائے بھیجے تاکہ ایسے سرکش قبائل کی سرکوبی کرکے ان کے اموال مارے جائیں اور نتیجتاً انھیں معاشی طور پر کمزور کرکے خود مسلمانوں اور دیگر قبائل عرب کو ان کی غارت گری سے محفوظ کیا جاسکے۔"[17]

2- دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا

جنگوں اور لڑائیوں کا ایک ضمنی مقصد دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دے یا صلح کے لیے آمادہ ہو جائے۔ اکثر اوقات دورانِ قتال دشمن کی معاشی تنصیبات کو نشانہ بنانا جنگی حکمتِ عملی کا نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس حکمتِ عملی پر عمل کیا تاکہ کفار و مشرکین کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست اور مرکز اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیاں ختم کر دیں یا ان کا دائرہ کار محدود کر دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ ﷺ نے دو طریقے اختیار فرمائے:

۱- غارت گر قبائل پر چھاپے مارے۔

۲- قریش کو معاشی غارت گری کا احساس دلانے کے لیے ان کے تجارتی قافلوں کو ٹارگٹ کیا۔

غارت گری کے خاتمہ کے لیے جو اقدامات کیے گئے، مذکورہ بالا سطور میں اس پر بحث کی جاچکی ہے۔ یہاں دوسرا ذریعہ یعنی قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کو سپردِ قرطاس کیا جارہا ہے۔

3- قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے

تجارت کو قریش مکہ کی ملکی اور بین الاقوامی معیشت میں شاہ رگ کی حیثیت حاصل تھی۔ قریش مکہ اس ذریعہ سے حاصل شدہ نفع کو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ بقول ڈاکٹر نور محمد غفاری:

> " آپ ﷺ کے اکثر و بیشتر غزوات و سرایا اسی مقصد کے لیے رونما ہوئے کہ قریش کے تجارتی قوافل کی ناکہ بندی کرکے قریش کی تجارتی شہ رگ کو کاٹ دیا جائے یا کمزور کر دیا جائے تاکہ نہ اموالِ تجارت سے نفع کمایا جائے اور نہ ہی اسے مرکزِ اسلام کے خلاف سرگرمیوں میں استعمال کیا جاسکے۔ گو تجارتی ناکہ بندی کے اکثر اقدامات میں مستشرقین اور ان کے مقلدین کے نزدیک آپ ﷺ کو ناکامی ہوئی یعنی تجارتی کارواں بچ کر نکل جاتا اور آپ ﷺ اس کا سامانِ تجارت حاصل نہ کرسکے۔ بعض نادانوں نے اسے آپ ﷺ کی قلتِ تدبیر کا نتیجہ بھی قرار دیا مگر ان لوٹ کھسوٹ ہی کو کامیابی قرار دینے والوں کو کون سمجھائے کہ آپ ﷺ کا مقصد تو قریش کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کرکے نقل و حرکت کو روکنا تھا نہ کہ سامانِ تجارت کو لوٹنا تھا۔"[18]

حالتِ جنگ میں دشمن کو مالی حوالے سے کمزور کرنے کے پسِ منظر میں بقائے انسانی بھی کارفرما ہے۔ علاوہ ازیں دشمن کی کمزوری اور ااس پر دھاک بٹھانا اہلِ اسلام کی قوت کے اظہار کے لیے اور خود پیغامِ اسلام کی اشاعت کے لیے ضروری اور اہم ہے۔ دورِ زوال میں اربابِ اقتدار کے لیے اس پہلو پر اقدام اسلام اور اسلامی ریاستوں کے جغرافیائی تحفظ کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

4- محض مالِ غنیمت کے حصول کی حوصلہ شکنی

غزوات و سرایا کا ایک ثمرہ مالِ غنیمت کا حصول بھی ہے۔ گو اسلام کے نظام جہاد میں کہیں بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ جہاد صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لیے کیا جائے بلکہ نبی کریم ﷺ نے مالِ غنیمت کے جذبہ کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا:

اے رسول کریم ﷺ! کوئی نام و نمود کی چاہت کے لیے جہاد کرتا ہے اور کوئی ملک و قوم کی سلامتی اور ترقی کے لیے کرتا ہے جب کہ کوئی مالِ غنیمت کے حصول کے لیے جہاد کرتا ہے کس شخص کا جہاد اللہ کریم کی راہ میں سمجھا جائے گا۔ آپ ﷺ نے پیغمبرانہ حکمت و اعجاز سے کام لے کر جواب دیا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ العُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"[19]

ترجمہ: جو شخص صرف اس لیے قتال کرے کہ اللہ کریم کا بول بالا ہو، وہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اس کے علاوہ غزوۂ اُحد میں جب حضور ﷺ نے ایک دستہ جبل رمادہ پر مقرر کیا تھا اور ہدایت کی کہ حالات کچھ بھی ہوں اپنی جگہ جمے رہیں مگر جب انھوں نے دیکھا کہ کفار شکست کھا کر میدان خالی کر رہے ہیں تو انھوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر پہاڑ سے اُتر کر مالِ غنیمت کا حصول درست سمجھا مگر ان کی اجتہادی غلطی نے مسلمانوں کی جیت کو شکست میں بدل دیا۔ قرآن کریم نے نہایت نرم انداز میں اللہ کریم کی ناپسندیدگی کا اظہار اس آیت کریمہ میں کیا:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ[20]

ترجمہ: تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طلب گار ہیں اور کچھ آخرت کے۔

مذکورہ بحث سے مقصود یہ ثابت کرنا نہ سمجھ لیا جائے کہ مالِ غنیمت کا حصول اسلام میں ناجائز ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام کے نظام جہاد کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام ہے، نہ کہ مالِ غنیمت کا حصول۔

غزوات کے دوران کتنا مال حاصل ہوا، یہ معاشیات کی اہم جہت ہے۔ عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے اور قدیم سیرت نگاروں نے بھی اس موضوع کو یوں بیان کیا کہ غزواتِ نبوی ﷺ کا اصل مقصد لوٹ مار کر کے مسلمانوں کو معاشی اور اقتصادی تحفظ فراہم کرنا اور انھیں خوشحال بنانا تھا۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی نے اس اعتراض کے رد کے لیے غزواتِ نبوی ﷺ کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے۔ بعض ایسے سرایا جن کو غزوات کا نام دیا گیا ہے ان کی نشان دہی کی ہے۔ ان غزوات و سرایا سے حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت، قیدیوں اور دیگر چیزوں کو سامنے لائے ہیں انھیں مستند مآخذ اور مصادر سے مدلل بنایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نہ تو غزوات نبوی ﷺ کا مقصد و مدعا لوٹ مار تھی اور نہ ہی ان سے حاصل ہونے والے اموال، غنائم سے مسلمانوں میں خوشحالی پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر

صدیقی نفع و نقصان کے تجزیے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اس بحث سے اب تصویر کے دونوں رُخ سامنے آتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ غزوات و سرایا سے خاصی دولت ملی، نقد و جنس کی صورت میں بھی اور اراضی و اموال کی شکل میں بھی۔ اور یہ بھی اُجاگر ہوتا ہے کہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں کو اپنی مہمات پر کافی مصارف کرنے پڑے اور جانی، مالی، مادی اور مختلف دوسرے اقسام کے نقصانات اُٹھانے پڑے۔ نفع و نقصان کے اس میزانیہ میں پلہ کسی کا بھی جھکے، یہ بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ صرف نفع ہی نفع نہیں ہوا تھا بلکہ نقصانات اور مصارف نے نفع کو خاصا کم کیا تھا۔"[21]

5-مالِ غنیمت کی تقسیم کا نبوی منہج

غزواتِ نبوی ﷺ کے دوران جو تھوڑا بہت مالِ غنیمت حاصل ہوا اس کی تقسیم کے متعلق پروفیسر محمد صدیق قریشی یوں لکھتے ہیں کہ:

"آپ ﷺ مالِ غنیمت کے پانچ حصے فرماتے۔ پانچواں حصہ ان لوگوں کو دیتے جن کو دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس میں سے کچھ مال رفاہِ عامہ میں خرچ فرماتے۔ کچھ ان لوگوں کو دیتے جن کا غنیمت میں باقاعدہ حصہ نہیں جیسے غلام، بچے اور عورتیں۔ پھر باقی چار حصے فوج میں تقسیم فرماتے۔ گھڑ سوار کو تین حصے دیتے، ایک حصہ اس کا اور دو اس کے گھوڑے کے ہوتے اور پیدل کو ایک حصہ دیتے۔ اگر مناسب سمجھتے تو بعض لوگوں کو اصل غنیمت سے انعام دیتے، جیسے ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو ان کی اعلیٰ کارکردگی کی بناء پر شہسوار اور پیدل کے دونوں حصے دیئے لیکن عام طور پر انعام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ طاقتور کو اپنی غنیمت میں کمزور کو بھی شریک کرنا چاہیے۔"[22]

6- نومسلموں کی تالیفِ قلبی

آپ ﷺ نے نومسلموں کی تالیف قلب کے لیے زیادہ سے زیادہ اموال صرف کیے اور عام مجاہدین مہاجرین و انصارؓ کو بہت کم عنایت فرمایا۔ مگر جب آپ تک انصارؓ باوفا کے شکوے پہنچے تو آپ ﷺ نے ایک چرمی خیمہ نصب کر دیا اور انصار باوفا کو بُلا کر ان کے سامنے مختصر خطاب فرمایا، جس کی نظیر فن خطابت میں نہیں ملتی۔

فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ، أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللَّهُ بِي، وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللَّهُ بِي، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللَّهُ بِي» كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ، قَالَ: «مَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تُجِيبُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ. قَالَ: كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا، قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ، قَالَ: " لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ: جِئْتَنَا كَذَا وَكَذَا، أَتَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالبَعِيرِ، وَتَذْهَبُونَ بِالنَّبِيِّ ﷺ إِلَى رِحَالِكُمْ، لَوْلاَ الهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الأَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا، الأَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ، إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً، فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الحَوْضِ[23]

ترجمہ: اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا تھا تو اللہ نے میرے ذریعے تم کو ہدایت دی؟ کیا تم لوگ جدا جدا نہیں تھے تو اللہ نے تم کو میری وجہ سے اکٹھا کیا؟ کیا تم لوگ تنگدست نہیں تھے تو اللہ نے میرے ذریعے تم کو مالدار

کیا؟ حضور اکرم ﷺ جو بھی فرماتے، انصار عرض کرتے: اللہ اور اس کے رسول سب سے زیادہ احسان فرمانے والے ہیں فرمایا: تمہیں رسول اللہ ﷺ کو جواب دینے سے کیا چیز روک رہی ہے؟ حضور ﷺ کچھ بھی فرماتے، انصار عرض کرتے: اللہ اور اس کے رسول زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔ فرمایا: اگر چاہو تو کہو آپ ﷺ ہمارے پاس اس حال میں آئے تھے۔ کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں کہ لوگ بکری اور اونٹ لے جائیں اور تم نبی ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ؟ مزید فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا۔

یہ سننا تھا کہ انصار باوفا کی چیخیں نکل گئیں۔ حال یہ ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں اور وہ پکار اٹھے کہ ہم اپنے حصہ اور تقسیم کے بدلہ میں اللہ کریم کے رسول پر راضی ہیں۔ مذکورہ واقعہ سے تالیف قلوب کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔

7- گردشِ دولت

آپ ﷺ سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی حاکم وقت یا رئیس قبیلہ غنیمت کا چوتھائی لیتا تھا اور اس میں تمام قیمتی اشیاء وہ اپنے لیے چُن لیتا اور جو تقسیم سے بچ جاتا یا بچا لیا جاتا وہ اس کے قبضہ میں آتا تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ نے تقسیم غنیمت میں بھی اصلاحات فرمائیں جن کے دور رس و خوشگوار معاشی اثرات مرتب ہوئے۔ دورِ جہالت میں غنیمت کا سارا مال صرف اسی کا تھا، جو لوٹ لیتا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ حق ساری فوج کو دیا۔ سرکاری خزانہ یا بیت المال کو چوتھائی کی بجائے پانچواں حصہ ملے گا، اس کا دوہرا افائدہ ہوا۔

1- مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی تشویش ہوئی۔
2- کفار کو شوق دلایا گیا کہ وہ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر مالِ غنیمت میں سے معاوضہ لے سکتے ہیں۔
3- مالِ غنیمت انفرادی کی بجائے اجتماعی مال قرار دیا گیا، جنھوں نے کسی شرعی عذر کی وجہ سے عملاً لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا مثلاً بدر کے مالِ غنیمت میں سے چند ایسے اشخاص کو بھی حصہ ملا جو لڑ نہ سکے۔
4- سپہ سالار اور عام سپاہی برابر تھے، لہٰذا معاشی مصنوعی تفاوت ختم کرنے کی ایک کوشش کی گئی۔
5- گھڑ سوار کو زیادہ اور پیدل کو کم حصہ دیا گیا، جس کا مقصد جہاد کے لیے گھوڑے پالنے کے شوق کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔
6- بیت المال یا سرکاری خزانہ کا (5/1) بھی رئیس دولت کا ذاتی حصہ قرار نہیں دیا گیا بلکہ اسے مصالح عامہ پر خرچ کرنے کے لیے رکھا گیا۔

الغرض نبی کریم ﷺ نے جتنے غزوات میں حصہ لیا یا سرائے بھجوائے ان کا مقصدِ وحید صرف اعلائے کلمۃ اللہ تھا اور یہی اسلام کے فلسفہ جہاد کا عنوان ہے، مگر ایک بڑے مقصد کے حصول کے ساتھ ساتھ بعض اوقات چند چھوٹے چھوٹے مقاصد بھی حاصل کر لیے جاتے ہیں، جو اکثر اوقات اس بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کا مقصد حق کا بول بالا کرنا اور کفر و شرک کو ذلیل و رسوا کر کے اللہ کریم کی سرزمین کو اس کے ناپاک اثرات سے پاک کرنا تھا مگر اس کا ضمناً فائدہ یہ بھی ہوا کہ کفار کو قیدی بنایا گیا جنھیں فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور یہ فدیہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے مالی وسائل کا ایک ذریعہ بن گیا، لہٰذا اگر کوئی بدباطن یہ کہے کہ یہ غزوہ تو مالیات کی فراہمی کے لیے لڑا گیا تھا تو یہ بہت بڑی بددیانتی اور مبنی بر جہالت رائے ہو گی۔

نتائج بحث

رسول اللہﷺ ایک ایسی قوم میں تشریف لائے جہاں نہ کوئی حکومت تھی نہ آئین اور جان ومال کے تحفظ کا بھی کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ جہاں کی وحشی اور جاہل اقوام کی جنگجوئی وخونریزی صدیوں سے ضرب المثل تھی۔ حضورﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی تو یہ لوگ آپ کے خلاف ہوگئے اور مختلف طریقوں سے آپ کو تکالیف پہنچانے لگے۔ جب آپﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو ان کی دشمنی مزید بڑھ گئی۔ نبیﷺ ان خونخوار وحشیوں کی غارت گرانہ عادت سے بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذا حزم واحتیاط کا تقاضا تھا کہ ایسے دشمنوں کی حرکات وسکنات کی خبر رکھی جائے۔ بیدار مغزی سے دشمن کی تدابیر کو الٹ کر ان کی جنگی تیاری پر کاری ضرب لگائی جائے۔ اس لیے آنحضورﷺ نے اسی پر عمل کیا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ہر اس کوشش کا نام (جو انھوں نے جنگ سے بچنے کے لیے کی) لوگوں نے جنگ رکھ لیا ہے۔ یہ لوگ نہ واقعہ کی علت دریافت کرتے ہیں، نہ مسلمانوں کے مدّعا کی تلاش مقصود ہوتی ہے، نہ مسلمانوں کے افعال کا تفحص، بس جلدی سے اپنی رائے قائم کرلیتے ہیں۔ اسی غلطی کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بے خبر مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی ہر ایک نقل وحرکت جنگ ہی کے لیے تھی۔ قدیم مسلمان مؤرخین نے اس نقل وحرکت کا نام غزوات وسرایا رکھا ہے۔ لیکن یہ زمانہ حال کی خوش فہمی ہوگی کہ غزوات وسرایا کے الفاظ کو لفظ جنگ کا مترادف سمجھا جائے حالانکہ ان کے لغوی معنی قصد اور سیر کے ہیں۔ مؤرخین کے نزدیک ان مہمات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بہر حال علمائے سیر ومورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ نو(9) غزوات میں قتال واقع ہوا۔ لفظ قتال سے زمانۂ قدیم (قبل از اسلام) کی خونخوار اور وحشیانہ جنگوں کا تصور ذہن میں اُبھرتا ہے، جس کے پسِ منظر میں مالِ غنیمت کا حصول، جذبۂ انتقام اور باہمی تفاخر کار فرما تھا، جن کے لیے کوئی قانون اور ضابطہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس حضورﷺ نے غزوات میں قتال کے لیے قوانین بھی وضع کیے اور جنگ کے وحشیانہ طریقے کی حوصلہ شکنی بھی فرمائی، ناحق قتال کی مذمت کے ساتھ ساتھ انسانی جان کے احترام کی لاجواب مثالیں بھی قائم کیں۔ اگر ہم حضور سرورِ کائناتﷺ کی قبل از قتال، دورانِ قتال اور بعد از قتال تعلیمات کا عمیق نظری سے جائزہ لیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ حضورﷺ نے میدانِ جنگ میں بہ لحاظِ اخلاقیات جو اصول وضوابط مرتب فرمائے ہیں، وہ عسکری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ مجاہدین کی تعلیم وتربیت کے لیے آپﷺ ان کی مسلسل جسمانی وروحانی تربیت کا اہتمام فرماتے۔ انہیں اعلیٰ اخلاقی اقدار وروایات سے متصف فرماتے۔ یہی وہ جامع صفات تھیں جنہوں نے مجاہدینِ اسلام کے قلب وجگر کو ایمان، توکل اور ذاتِ خداوندی پر غیر متزلزل یقین کا خوگر بنادیا تھا۔

جنگی کاروائیوں سے حضورﷺ کا مقصد وسیع وعریض سلطنت کا قیام، نسلِ انسانی کا قتلِ عام، جاہ وحشمت کا حصول یا سیم وزر کے انبار لگانا قطعاً نہ تھا، بلکہ اس سے آپﷺ کے پیشِ نظر اعلائے کلمۃ الحق اور دینِ حق کی سربلندی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپﷺ فتح کو زورِ بازو پر محمول کرنے کے بجائے اللہ رب العزت کی تائید ونصرت سے تعبیر کرتے تھے۔ فتح کے بعد عاجزانہ رویہ، قیدیوں اور مفتوح قوم سے حسنِ سلوک، عہد کی پاسداری، احترامِ انسانیت اور اس جیسی بے مثال اخلاقی قدروں کے سبب نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ اطراف واکنافِ عالم میں بھی اسلام ایک امن پسند دین کے طور پر سامنے آیا اور مخلوقِ خدا جوق در جوق اسلام کے شجرِ سایہ دار سے فیضیاب ہونے لگی۔

غزوات نبویﷺ کی تعلیمات کا دائرۂ کار صرف عسکری میدان تک محدود نہیں، بلکہ یہ تمام تر شعبہ ہائے حیات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اسلام کی معاشرتی اقدار کو تقویت دینے کے لیے حضورﷺ نے غزوات میں بھی کامل اور قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا۔ غزوات نبویﷺ میں قیام

خیر ورفعِ شر، باہمی اتحادویگانگت، ایفائے عہد، احترامِ انسانیت، حقوق وفرائض کی ادائیگی اور حمایت مظلوم جیسی تعلیم وتربیت کی کئی جہات موجود ہیں، جو ایک مستحکم اور خوشحال معاشرے کی علامات ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی حربی و عسکری اور سماجی و معاشی تعلیم و تربیت کا ہی ثمر تھا کہ انتہائی قلیل مدت میں مسلمان ایک مضبوط اور منظّم جنگی طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔

سفارشات وتجاویز

1- عصر حاضر میں غزوات و سرایا کے معنی و مفہوم کو انتہائی مذموم طریقے سے مسخ کرنے کی مہم جاری ہے، جس میں بیگانوں کے ساتھ ساتھ کچھ ناعاقبت اندیش اپنے بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مصلحتوں اور دباؤ سے نکل کر اس کا درست مفہوم سامنے لایا جائے۔

2- عصرِ حاضر کے حوالے سے تعبیرات و تشریحات کا جائزہ لیا جائے اور غلط اور صحیح تعبیرات و تشریحات میں فرق کیا جائے۔

3- مغرب کی طرف سے غزوات پر کیے جانے والے اعتراضات کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کا ازالہ کیا جائے۔

4- غزوات کی ضرورت و اہمیت اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ غزوات اور دہشت گردی کا فرق واضح کرتے ہوئے ان دونوں کا ایک دوسرے سے Anti ہونا واضح کیا جائے۔

5- مغربی دنیا میں غزوات کے خلاف جو منفی پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اس کا موزوں اور مؤثر جواب دینے کے لیے مختلف سطحوں پر مؤثر فورم تشکیل دیئے جائیں۔

6- غزوات کا مطالعہ وسیع النظری سے کیا جائے تا کہ اس کے معاشی، معاشرتی، اخلاقی وسیاسی تعلیم وتربیت کے پہلو اُجاگر ہوں۔

7- حضور ﷺ نے دورانِ غزوات بھی معاہدوں کی پابندی پر زور دیا مگر آج کے دور میں جس کے پاس طاقت ہے وہ معاہدے کی پابندی سے آزاد ہے ہمیں حضور ﷺ کے اسوہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

8- فاتح اقوام کو قیدیوں اور مفتوح قوم کے معاملے میں حضور اکرم ﷺ کے بے مثال اخلاقی مظاہروں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 international license.

حواشی وحوالہ جات

[1] محمد بن عیسٰی الترمذي، **السنن**،کتاب الجهاد،بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ،رقم الحديث:245۔

[2] ڈاکٹر خالد علوی، **اسلام کا معاشرتی نظام**، (لاہور: المکتبۃ العلمیہ، طبع دوم، فروری 1978ء)، ص30۔

[3] القرآن 2:193۔

[4] H. J. Laski, *Grammar of Politics, Spencer, Principles of Sociology,* (London: William and Norgate, 1885),P: 91.

[5] ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحيح**،کتاب الجهاد،بَابُ الجِهَادِ بِإِذْنِ الأَبَوَيْنِ،رقم الحديث:3004۔

[6] ڈاکٹر خالد علوی، **اسلام کا معاشرتی نظام**، ص195۔

[7] ابو داؤد سليمان بن الاشعث، **السنن**،کتاب الجهاد،بَابٌ فِي قَتْلِ النِّسَاءِ،رقم الحديث:895۔

[8] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **نگارشاتِ ڈاکٹر حمید اللہ**، (لاہور: بیکن بکس، 2007ء)، ص304۔

[9] ابو داؤد،السنن،کتاب الجهاد،بَابٌ فِي دُعَاءِ الْمُشْرِكِينَ،رقم الحديث:840۔

[10] ایضاً،کتاب الجهاد،باب ما يومر من انضمام العسكر وسعته،رقم الحديث:856۔

[11] مولانا عبد الرحمٰن کیلانی، **نبی کریم ﷺ بحیثیت سپہ سالار**، (لاہور: مکتبۃ الاسلام، طبع ثالث، 2003ء)، ص23۔

[12] ابو الحسين مسلم بن حجاج قشيری، **الجامع الصحيح**،کتاب الجهاد و السير،بَابُ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ،رقم الحديث:4639۔

[13] القرآن 4:75۔

[14] ابو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبری،جامع البيان عن تاويل ای القرآن المعروف به تفسير طبری،(عراق:مركز البحوث والدراسات العربية الاسلامية،بدون سن)، ج3،ص1425۔

[15] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر اعظم و آخر، (لاہور: فیروز سنز، 1988ء)، ص520۔

[16] البخاری، **الجامع الصحيح**،کتاب الجهاد،بَابُ الحِرَاسَةِ فِي الغَزْوِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ،رقم الحديث:2885۔

[17] ڈاکٹر نور محمد غفاری، **نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی**، (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، طبع ثالث، جنوری 1999ء)، ص189۔

[18] ایضاً ص197۔

[19] البخاری، **الجامع الصحيح**،کتاب الجهاد،بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ العُلْيَا،رقم الحديث:2810۔

[20] القرآن 3:16۔

[21] ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی، **غزواتِ نبوی کے اقتصادی پہلو**، (لاہور: اسد نیئر پرنٹرز، س ن)، ص125۔

[22] پروفیسر محمد صدیق قریشی، **پیغمبر حکمت وبصیرت**، (لاہور: الفیصل ناشران، 2005) ص287۔

[23] البخاری، **الجامع الصحيح**،کتاب المغازي،بَابُ غَزْوَةِ الطَّائِفِ،رقم الحديث:433۔